بنیادی تبدیلی آ چکی ہے اور اس وقت میری رائے میں جنگ ہونے کے ۹۰ فیصد قوی امکانات ہیں۔

آج کے 'نوائے وقت' میں "TIMES" کے حوالے سے ایک طویل مضمون شائع ہوا ہے جس کے پڑھنے سے اندازہ ہوتا ہے کہ جنگ لازماً ہوگی۔ اس لئے کہ یہ امکان کہ صدام گھٹنے ٹیک دے، شکست تسلیم کرلے اور اپنی موت کے وارنٹ پر دستخط کردے، قرین قیاس نہیں ہے۔ یہ صدام کے مزاج کے بالکل برعکس ہے اور اس کی توقع نہ ہونے کے برابر ہے۔ دوسرا امکان یہی رہ جاتا ہے کہ عراق پر امریکہ حملہ کرے اور زوردار حملہ کرے۔ ٹائمز کے طویل مضمون کا مرکزی خیال یہی ہے۔ مضمون نگار نے بش کو بہت ابھارا ہے کہ وہ اس موقع سے فائدہ اٹھائے اور عراق کی طاقت کو کچل کر رکھ دے۔ اس سے اندازہ ہوتا ہے کہ امریکہ کے تمام وسائل و ذرائع پر یہودیوں کا مکمل تسلط ہے اور سب سے بڑھ کر یہی قوم اس وقت جنگ کے حق میں ہے۔ قسمت کی ستم ظریفی ملاحظہ ہو کہ یہود کے ساتھ ساتھ سعودی عرب کے موجودہ اور کویت کے معزول حکمران بھی اس وقت جنگ کی سب سے شدید تمنا رکھتے ہیں۔ ان تینوں کی یہ پوری کوشش ہے کہ جنگ ہونی چاہئے تاکہ صدام کی جنگی صلاحیت کو پوری طرح کچل کر رکھ دیا جائے۔ امریکہ کی رائے عامہ (public opinion) جنگ کے خلاف ہے لیکن یہودی پریس جنگ کے حق میں رائے عامہ کو موڑنے کی کوشش میں مصروف ہے۔

بہرحال "بحر و بر میں فساد ظاہر ہو چکا ہے"۔ لیکن کس سبب سے ہوا ہے؟ اللہ تو ظالم نہیں...! پھر یہ سب کیوں ہے۔ فرمایا: "بِمَا كَسَبَتْ اَيْدِي النَّاسِ"۔ "بہ سبب انسانوں کے ہاتھوں کی کمائی کے" کہ یہ سب کچھ لوگوں کے اپنے کرتوتوں کی وجہ سے ہے۔ یہ انسان کے اپنے کرتوت ہیں، ہر طرف غلط اور باطل نظام رائج ہیں، استحصال کا دور دورہ ہے، لوگوں کے حقوق کا غصب کیا جانا معمول بن چکا ہے، اسی طرح ایک قوم کا دوسری قوم پر غلبہ حاصل کرنے اور اس کے وسائل پر قبضہ کرلینے کی خواہش جو سراسر ظلم اور زیادتی کا مظہر ہے۔ یہ ہیں وہ وجوہات اور یہ ہے ہمارے ہاتھوں کی وہ کمائی جس کے باعث دنیا تباہی کے دہانے تک پہنچ چکی ہے۔ 'فساد فی الارض' کی بے شمار صورتیں ہیں۔ کہیں کوئی ایک قوم طبقاتی کشمکش کا شکار ہو کر باہم دست و گریبان ہو جاتی ہے۔ اسی کی ایک شکل یہ بھی

© rasailojaraid.com

ہے کہ دنیا اس وقت ترقی یافتہ ممالک اور ترقی پذیر یا پسماندہ ممالک میں بٹی ہوئی ہے۔ اور ترقی یافتہ ممالک غیر ترقیاتی ممالک کو کسی طور پر اٹھ بیٹھنے کی اجازت دینے کے لئے تیار نہیں۔ ان کے سارے ہتھکنڈے اس بات کے لئے ہوتے ہیں کہ یہ ممالک ترقی نہ کرنے پائیں۔ گو ظاہراً یہ ممالک اپنے آپ کو پسماندہ ممالک کا 'ہمدرد' بنا کر پیش کرتے ہیں لیکن ان کی پالیسی کا مرکزی نکتہ یہی ہوتا ہے کہ انہیں جکڑ کر رکھا جائے اور یہ کسی طرح ان کے چنگل سے نکل نہ پائیں۔ قوموں کے عروج و زوال کی تاریخ گواہ ہے کہ یہ صورت حال ایک وقت تک تو برقرار رہتی ہے' لیکن پھر۔

خونِ اسرائیل آ جاتا ہے آخر جوش میں توڑ دیتا ہے کوئی موسیٰ طلسمِ سامری

کے مصداق غالب طاقت کے مقابلے میں کوئی اور طاقت اٹھ کھڑی ہوتی ہے اور ان کا ٹکراؤ ہوتا ہے۔ سورۃ الحج میں فرمایا گیا: **وَلَوْ لَا دَفْعُ اللّٰهِ النَّاسَ بَعْضَهُمْ بِبَعْضٍ لَّهُدِّمَتْ صَوَامِعُ وَبِيَعٌ وَّصَلَوٰتٌ وَّمَسٰجِدُ يُذْكَرُ فِيْهَا اسْمُ اللّٰهِ كَثِيْرًا** ـــ کہ اگر اللہ لوگوں کو ایک دوسرے کے ذریعے دفع نہ کرتا رہتا تو (نصاریٰ کی) خانقاہیں اور گرجے' (یہودیوں کے) عبادت خانے اور (مسلمانوں کی) مسجدیں جن میں کثرت سے اللہ کا نام لیا جاتا ہے کبھی کے ڈھائے جا چکے ہوتے۔ اللہ کی سنت یہی رہی ہے کہ جب زمین میں زیادہ فساد ہو جاتا ہے تو وہ ایک قوم کے ذریعے دوسری قوم کو ملیا میٹ کرا دیتا ہے' تاکہ گند دھل جائے۔ جیسے آپ کوڑے کرکٹ کو جمع کر کے آگ لگا دیتے ہیں' اسی طرح اللہ تعالیٰ بھی مختلف مواقع پر زمین میں صفائی کرتا رہا ہے۔ بہرحال یہ لوگوں کے اپنے کرتوتوں کے سبب ہوتا ہے' جیسے فرمایا: "**بِمَا كَسَبَتْ اَيْدِي النَّاسِ**"۔

اب اس کے بعد فرمایا جا رہا ہے کہ اس کا مقصد کیا ہے؟ "**لِيُذِيْقَهُمْ بَعْضَ الَّذِيْ عَمِلُوْا**" "تاکہ اللہ انہیں چکھا دے ان کے کچھ کرتوتوں کا مزہ"۔ یعنی یہ سزا لوگوں کے بعض اعمال کا نتیجہ ہوتی ہے' تمام تر اعمال کا نہیں۔ کیونکہ اگر اللہ تعالیٰ انسانوں کی تمام بداعمالیوں کی سزا اسی دنیا میں دینے لگے تو الفاظ قرآنی "**مَا تَرَكَ عَلٰى ظَهْرِهَا مِنْ دَآبَّةٍ**" کے مصداق اس زمین کی پشت پر انسان تو کیا کوئی جاندار بھی باقی نہ بچے۔ لیکن اللہ کا قاعدہ اور سنت یہ رہی ہے کہ ان کے کچھ کرتوتوں کی سزا کے طور پر تھوڑا بہت عذاب دے دیتا ہے۔ اور اس میں حکمت یہ بیان فرمائی کہ: "**لَعَلَّهُمْ يَرْجِعُوْنَ**" "شاید کہ وہ

aid.com

لوٹ آئیں"۔ ہو سکتا ہے کہ وہ خوابِ غفلت سے بیدار ہو کر اپنی روش تبدیل کر لیں۔

یہ سورۃ الروم کی آیت ۴۱ تھی، جس کا ہم نے مطالعہ کیا۔ اب تقابل کے لئے سورۃ السجدہ کی آیت ۲۱ ملاحظہ فرمائیں جس میں یہی مضمون بایں الفاظ بیان فرمایا گیا: "وَلَنُذِيقَنَّهُمْ مِّنَ الْعَذَابِ الْأَدْنَىٰ دُونَ الْعَذَابِ الْأَكْبَرِ لَعَلَّهُمْ يَرْجِعُونَ" "اور ہم انہیں لازماً چھوٹے عذاب کا مزہ چکھائیں گے بڑے عذاب سے پہلے، شاید کہ یہ لوٹ آئیں"۔

یہ دراصل لوگوں کو ہوش میں لانے کے لئے تنبیہات ہوتی ہیں۔ اور کسی قوم کے لئے بڑا عذاب یہ ہے کہ اسے نسیاً منسیاً کر دیا جاتا ہے۔ جیسے سورۃ الانعام میں فرمایا: "فَقُطِعَ دَابِرُ الْقَوْمِ الَّذِينَ ظَلَمُوا" "پس ظالم قوم کی جڑ کاٹ دی گئی"۔ یا سورہ ہود میں الفاظ وارد ہوئے: "كَأَن لَّمْ يَغْنَوْا فِيهَا" "گویا کبھی اس سرزمین میں آباد ہی نہیں ہوئے تھے"۔

اس عذابِ استیصال کی ایک مثال ہماری اپنی تاریخ میں بھی موجود ہے۔ آپ جانتے ہیں کہ مسلمانوں نے آٹھ سو سال تک ہسپانیہ کے جزیرہ نما پر حکومت کی ہے، جن میں پانچ سو برس تو ایسے ہیں کہ اس پورے علاقے پر حکومت تھی، لیکن آج وہاں "كَأَن لَّمْ يَغْنَوْا فِيهَا" کا نقشہ سامنے آتا ہے۔ آج وہاں صرف ان کی تعمیرات کے کھنڈر باقی ہیں۔ مسجدِ قرطبہ میں نماز پڑھنے کی بھی اجازت نہیں ہے۔

سورۃ الروم کی اگلی آیت ہے: قُلْ سِيرُوا فِي الْأَرْضِ فَانظُرُوا كَيْفَ كَانَ عَاقِبَةُ الَّذِينَ مِن قَبْلُ ۚ كَانَ أَكْثَرُهُم مُّشْرِكِينَ۔ "(اے نبی) ان سے کہئے کہ زمین میں گھومو پھرو اور دیکھو کہ کیا انجام ہوا پہلے لوگوں کا! ان کی اکثریت مشرکوں پر مشتمل تھی"۔

یہاں یہ بات ذہن نشین کر لیجئے کہ شرک صرف بت پرستی کا نام نہیں، شرک کا دائرہ بہت وسیع ہے۔ اور دورِ حاضر کا بہت بڑا شرک مادہ پرستی اور زر پرستی ہے۔ اگر دولت کی دیوی کو پوجنے والا مشرک ہے تو براہ راست دولت کا پجاری مشرک کیوں نہ ہوگا؟ جو شخص حلال و حرام کی پابندیوں کو بالائے طاق رکھ کر دولت سمیٹنے میں لگا ہوا ہے تو دراصل اس نے دولت کو اپنا معبود بنا رکھا ہے۔ ایسے شخص کو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے درہم و دینار کا بندہ قرار دیا ہے۔ آپ نے فرمایا: تَعِسَ عَبْدُ الدِّينَارِ وَ عَبْدُ الدِّرْهَمِ۔[1] "دینار اور درہم کا بندہ برباد ہو گیا"۔ کسی کا نام اگرچہ عبداللہ یا عبدالرحمٰن ہی کیوں نہ ہو، وہ

---

[1] رواہ البخاری، عن ابی ہریرہ

© rasailojaraid.c

دولت کا پجاری ہونے کے ناتے عبدالدینار اور عبدالدرہم ہے۔ شریعت کی حدود و قیود سے آزاد ہو کر خواہشات نفس کی پیروی شرک ہے' سورۃ الفرقان میں فرمایا گیا: **"اَرَءَيْتَ مَنِ اتَّخَذَ اِلٰهَهٗ هَوٰىهُ"**۔ "کیا تم نے اس شخص کو دیکھا جس نے اپنی خواہشات نفس کو اپنا معبود بنا لیا؟" اسی طرح انسانی حاکمیت کا تصور شرک ہے۔ حاکم تو صرف وہ ہے۔ **"اِنِ الْحُكْمُ اِلَّا لِلّٰهِ"**۔ تو یہ نہ سمجھئے کہ یہاں صرف بت پرست قوموں کا ذکر ہو رہا ہے۔ بلکہ شرک کے تو لاکھوں بھیس ہیں اور ہر دور میں اس کا ایک نیا بھیس ہوتا ہے جسے پہچاننا بہت ضروری ہے۔ ورنہ ہو سکتا ہے کہ آدمی سابقہ ادوار کے شرک سے تو بچا رہے لیکن اپنے دور کے شرک میں گردن گردن ڈوبا ہوا ہو۔ یہاں یہ فرمایا جا رہا ہے کہ ہلاک ہونے والی سابقہ قوموں کی اکثریت مشرکوں پر مشتمل تھی۔

اب اس آیت کا سورۃ السجدہ کی اگلی آیت سے تقابل کیجئے: **"وَمَنْ اَظْلَمُ مِمَّنْ ذُكِّرَ بِاٰيٰتِ رَبِّهٖ ثُمَّ اَعْرَضَ عَنْهَا ۭ اِنَّا مِنَ الْمُجْرِمِيْنَ مُنْتَقِمُوْنَ"**۔ "اور اس سے بڑھ کر ظالم کون ہوگا جسے اس کے رب کی آیات کے ذریعے تذکیر کرائی گئی' پھر اس نے اس سے اعراض کیا۔ یقیناً (ایسے) مجرموں سے تو ہم انتقام لے کر رہیں گے!" دونوں آیات میں عجیب ربط ہے۔ سورۃ الروم میں حالات اور تاریخ کے مشاہدے سے تذکیر کا بیان ہوا ہے یعنی امم سابقہ کے حالات سے سبق حاصل کیا جائے۔ یہ تذکیر کی ایک صورت ہے۔ جیسا کہ حضرت عبداللہ بن مسعود نے فرمایا: **اَلسَّعِيْدُ مَنْ وُعِظَ بِغَيْرِهٖ**[1] یعنی سعادت مند بندہ وہ ہے جو دوسروں کی حالت سے سبق حاصل کرے۔ سورۃ السجدہ میں تذکیر کی دوسری صورت بیان ہوئی ہے' یعنی تذکیر بالقرآن۔ وہ شخص واقعتاً سب سے بڑھ کر ظالم ہے جس نے امم سابقہ کے حالات و واقعات سے بھی کوئی سبق نہیں سیکھا اور جب اسے اللہ کی آیات سنائی گئیں اور ان کے ذریعے سے اسے تذکیر و نصیحت کی گئی تو پھر بھی وہ ہوش میں نہیں آیا۔ یہ ظلم کی انتہا ہے۔ یہ گمراہی کی آخری منزل ہے۔ یہی وجہ ہے کہ جب کسی قوم کی طرف اللہ کے رسول کو مبعوث کر دیا جاتا اور پھر بھی وہ قوم اپنی روش سے باز نہ آتی تو اس سے کوئی رعایت نہیں برتی جاتی تھی۔ پروردگار کی طرف سے حق اگر پوری

---

[1] رواہ مسلم' عن عامر بن واثلہ

com

طرح مبرہن ہو جائے اور اس میں کوئی ابہام و اشکال باقی نہ رہے اور لوگ پھر بھی کفر پر اڑے رہیں تو وہ گویا اس کے حقدار ہیں کہ نسیًا منسیًا کر دیئے جائیں۔

تذکیر بالقرآن کے حوالے سے ذرا ہمیں اپنا جائزہ بھی لینا چاہئے۔ ہمارے یہاں برعظیم پاک و ہند میں تذکیر بالقرآن کا آغاز تین صدیاں قبل حضرت شاہ ولی اللہ دہلوی رحمۃ اللہ علیہ سے ہوا۔ اس میدان میں حضرت شاہ صاحب اور ان کے خاندان کی خدمات نہایت قابل قدر ہیں۔ تاہم اس بیسویں صدی عیسوی میں یہاں تذکیر بالقرآن کا ڈنکا بجانے والا پہلا شخص ابوالکلام آزاد ہے۔ انہوں نے واقعتہً ایک مرتبہ برعظیم پاک و ہند میں بسنے والے مسلمانوں کو قرآن حکیم کی طرف متوجہ کر دیا۔ میں جس ابوالکلام کا ذکر کر رہا ہوں وہ ۱۹۱۲ء سے ۱۹۲۰ء تک کے ابوالکلام ہیں۔ بعد میں وہ بد دل ہو گئے اور میرے خیال میں پھر مایوس ہو کر انہوں نے صرف جہادِ حریت کو اپنا میدان بنا لیا۔ اس کے بعد ہم دیکھتے ہیں کہ جماعت اسلامی کی دعوت میں بھی تذکیر بالقرآن کا بڑا حصہ تھا۔ ان کے اجتماعات میں درسِ قرآن ایک جزوِ لازم کی حیثیت سے شامل رہا اور ویسے بھی تحریک کے اعتبار سے جماعت اسلامی دراصل مولانا آزاد کی تحریک ہی کا ایک تسلسل ہے۔ لیکن پھر سیاست کی دلدل میں پھنسنے کے بعد جماعت اسلامی قرآن حکیم کے فلسفہ و حکمت کی اشاعت کی طرف توجہ نہ دے سکی۔ ہم نے بحمداللہ قرآن حکیم کو مرکز و محور بنا کر مقدور بھر اس کی دعوت و اشاعت اور تذکیر و تفہیم کا کام کیا ہے اور اس سلسلہ کو پچیس برس ہو گئے ہیں۔ میرے دروس و خطابات میں جو چیز سب سے زیادہ بیان کی جاتی ہے وہ قرآن حکیم اور اس کی تفسیر و تشریح ہی تو ہے' جس کا لازمی جزو احادیث نبویہ ہیں، (علٰی صاحبہا الصلوٰۃ والسلام)۔ ہمارے معاشرے میں بعض حلقے ایسے بھی ہیں جہاں درسِ قرآن اور خطابِ جمعہ میں اور سب کچھ ہوتا ہے سوائے قرآن کے! نور و بشر اور حاضر و ناظر کے جھگڑوں میں عوام الناس کو الجھایا جاتا ہے۔ حضورؐ کی کملی اور زلفوں کا تذکرہ تو کیا جاتا ہے لیکن آنحضور کی سنّت و سیرت بیان نہیں کی جاتی۔ ایسے علماء کے ہاں جانے والے لوگ تو شاید اللہ کے حضور کوئی عذر پیش کر سکیں کہ یا اللہ ہمارے سامنے تو دین کی یہی تصویر پیش کی گئی تھی اور اسی کو ہم نے اپنا لیا۔ لیکن ہمارے دروس و خطابات میں شرکت کرنے والے احباب سوچ لیں کہ وہ اللہ کے ہاں کیا جواب اور کیا عذر پیش کر سکیں گے؟ یہاں تو

© rasailojaraid.com

قرآن و سنت کے حوالے سے فرائض دینی کا جامع تصور پیش کیا گیا ہے' قرآن کے ذریعے سے تذکیر کرائی گئی ہے' اسی کی طرف رجوع کی دعوت دی گئی ہے ـــــ لیکن پھر بھی اگر ع "زمین جنبد نہ جنبد گل محمد" والا معاملہ ہو تو پھر قرآن حکیم کی وعید بھی سن لیجئے: **وَمَنۡ اَظۡلَمُ مِمَّنۡ ذُكِّرَ بِاٰيٰتِ رَبِّهٖ ثُمَّ اَعۡرَضَ عَنۡهَا** کہ "اُس شخص سے بڑھ کر اور کون ظالم ہو گا جسے اللہ تعالیٰ کی آیات کے ذریعے تذکیر کرائی گئی ـــــــ پھر بھی اس نے اس سے بے اعتنائی کی روش اختیار کی"! اس مقام پر "ثُمَّ" (پھر بھی) کا استعمال خاص طور پر قابلِ غور ہے۔ عربی کا ذوق رکھنے والے حضرات نوٹ کریں کہ آیت کے اگلے ٹکڑے "**اِنَّا مِنَ الۡمُجۡرِمِيۡنَ مُنۡتَقِمُوۡنَ**" میں بجائے فعل کے اسمِ فاعل لایا گیا ہے۔ اور یہ انتہائی تاکید کا اسلوب ہے۔ یعنی صرف یہی نہیں کہ ہم انتقام لیں گے' بلکہ ترجمہ ہو گا: "یقیناً (ایسے) مجرموں سے تو ہم انتقام لے کر رہیں گے"۔

اب دوبارہ سورۃ الروم کی طرف آیئے! جو شخص اس کام میں لگا ہوا ہے اور تذکیر بالقرآن کو اپنا اوڑھنا بچھونا بنائے ہوئے ہے' اس کے لئے راہنمائی اس آیہ مبارکہ سے مل رہی ہے: "**فَاَقِمۡ وَجۡهَكَ لِلدِّيۡنِ الۡقَيِّمِ مِنۡ قَبۡلِ اَنۡ يَّاۡتِىَ يَوۡمٌ لَّا مَرَدَّ لَهٗ مِنَ اللّٰهِ**" "پس تم اپنا رخ دینِ قیّم کی طرف سیدھا رکھو' قبل اس کے کہ اللہ کی طرف سے ایک ایسا دن آ جائے جس کے لئے پھر واپسی نہیں ہے" ــــ یعنی تمہارا رخ دین قیم کی طرف سے نہ پھر جائے۔ کہیں مایوس اور دل برداشتہ ہو کر دائیں بائیں مڑنے کا خیال دل میں نہ لانا' جلد بازی میں کوئی غلط طریق کار اختیار کرنے کی نہ سوچنا' بلکہ اس دین کے راستے پر جمے رہو اور ڈٹے رہو' دوسروں تک دین کا پیغام پہنچاتے رہو۔ کوئی مانے یا نہ مانے' تم اپنا کام کرتے چلے جاؤ' تمہارے پائے ثبات میں لغزش نہیں آنی چاہئے۔ **مِنۡ قَبۡلِ اَنۡ يَّاۡتِىَ يَوۡمٌ لَّا مَرَدَّ لَهٗ مِنَ اللّٰهِ** ـــــــ "اس سے پہلے پہلے کہ اللہ کے حکم سے وہ دن آجائے کہ جس کے لئے پھر واپسی نہیں ہے"۔ اسے کوئی لوٹانے والا نہیں ہے۔ وہ دن دنیا میں آخری سزا کا دن بھی ہو سکتا ہے۔ ایسے دنوں کو قرآن حکیم میں "**اَيّٰمُ اللّٰهِ**" کہا گیا ہے۔ سورۂ ابراہیم میں فرمایا گیا: "**وَذَكِّرۡهُمۡ بِاَيّٰٮمِ اللّٰهِ**" "پس (اے نبی!) ان کو اللہ کے دنوں کے حوالے سے یاد دہانی کرایئے"۔ یعنی وہ عظیم دن جن میں مختلف سرکش اقوام اللہ کے فیصلے سے ہلاکت و بربادی سے دوچار کی گئیں۔ قوم نوح کو غرق کیا گیا' قوم ثمود کو ملیا میٹ کر دیا گیا' قوم عاد

ہلاک کی گئی۔ اس کی بربادی کا نقشہ سورۃ الحاقہ میں اس طرح کھینچا گیا ہے کہ "کَاَنَّھُمۡ اَعۡجَازُ نَخۡلٍ خَاوِیَۃٍ" یعنی "ایسے پڑے تھے جیسے کھجور کے کھوکھلے تنے پڑے ہوں"۔ اور اس یَوۡمٌ لَّا مَرَدَّ لَہٗ کا اطلاق روز قیامت پر تو یقینی طور پر ہوتا ہی ہے!

آگے فرمایا: "یَوۡمَئِذٍ یَّصَّدَّعُوۡنَ" "اس دن وہ پھٹ جائیں گے!" نوٹ کیجئے کہ یہاں لفظ "یَتَفَرَّقُوۡنَ" (الگ الگ ہو جائیں گے) استعمال نہیں کیا گیا' بلکہ "یَصَّدَّعُوۡنَ" کیا گیا ہے جس کا معنی دھماکے سے پھٹ جانا ہے۔ تفرق کا مفہوم تقسیم ہو جانا' مختلف گروہوں میں بٹ جانا ہے۔ "یَصَّدَّعُوۡنَ" میں اس حقیقت کی طرف اشارہ ہے کہ دنیا میں لوگ اکثر و بیشتر دنیوی محبتوں کی وجہ سے غلط راستے پر قائم رہتے ہیں —— جیسا کہ سورۃ العنکبوت میں حضرت ابراہیم علیہ السلام کا قول نقل کیا گیا ہے جو انہوں نے اپنی قوم سے کہا تھا: "اِنَّمَا اتَّخَذۡتُمۡ مِّنۡ دُوۡنِ اللّٰہِ اَوۡثَانًا مَّوَدَّۃَ بَیۡنِکُمۡ فِی الۡحَیٰوۃِ الدُّنۡیَا" —— کہ تم نے جو اللہ کو چھوڑ کر بتوں کو معبود ٹھہرا لیا ہے تو یہ تمہارے باہمی دنیوی تعلقات کی وجہ سے ہے۔ لوگوں کو معلوم ہو گیا تھا کہ جو شرک ہم کر رہے ہیں یہ صریحاً غلط ہے لیکن برادری' جمعیت' قبیلے اور سیادت و چودھراہٹ ان کے پاؤں کی بیڑیاں بن گئیں کہ اگر ہم یہ معاملہ چھوڑ دیں تو تفرقہ ہو جائے گا اور "A house divided among itself cannot stand" کے مصداق قبیلے اور خاندان تقسیم ہو کر رہ جائیں گے۔ جمعیتیں اور جھوٹی دنیوی محبتیں اور الفتیں لوگوں کو غلط راستہ اختیار کئے رکھنے پر مجبور کر دیتی ہیں' اس کے باوجود کہ ان پر اپنا غلط ہونا واضح ہو چکا ہوتا ہے۔ لیکن قیامت کے روز یہ ساری جمعیتیں ایک دم پھٹ جائیں گی۔ کوئی دوستی اور محبت برقرار نہ رہے گی۔ سورۃ الزخرف میں فرمایا گیا: اَلۡاَخِلَّآءُ یَوۡمَئِذٍۭ بَعۡضُھُمۡ لِبَعۡضٍ عَدُوٌّ۔ "اس دن دوست ایک دوسرے کے دشمن ہوں گے"۔ اور سورۂ عبس میں نقشہ کھینچا گیا کہ "یَوۡمَ یَفِرُّ الۡمَرۡءُ مِنۡ اَخِیۡہِ وَاُمِّہٖ وَاَبِیۡہِ وَصَاحِبَتِہٖ وَبَنِیۡہِ" "اس دن آدمی اپنے بھائی اور اپنی ماں اور اپنے باپ اور اپنی بیوی اور اپنے بیٹوں سے بھاگے گا"۔ سورۃ المعارج میں فرمایا گیا کہ وہ چاہے گا کہ آج ان سب کو جہنم میں جھونک کر کسی طریقے سے مجھے بچا لیا جائے۔ بہرحال یہاں دنیا میں دوستیاں' محبتیں' الفتیں' حلقہ ہائے احباب اور قرابت داروں کو چھوڑنا ممکن نہیں ہوتا۔ لیکن "یَوۡمَئِذٍ یَّصَّدَّعُوۡنَ" —— اس روز وہ باہم پھٹ جائیں گے!

© rasailojaraid.com

آگے فرمایا: "وَمَنْ كَفَرَ فَعَلَيْهِ كُفْرُهٗ" "اور جس نے کفر کیا ہوگا تو اس کے کفر کا وبال اسی کے اوپر ہوگا"۔ یہاں کفر کا لفظ آیا ہے جس کے معانی انکار کے علاوہ ناقدری کے بھی ہیں۔ تکذیب (جھٹلانا) اس سے اگلا مرحلہ ہے۔ چنانچہ بعض مقامات پر یہ دونوں الفاظ ساتھ ساتھ آئے ہیں: "اَلَّذِيْنَ كَفَرُوْا وَكَذَّبُوْا" تاہم یہاں صرف 'کفر' کا لفظ آیا ہے۔ یعنی جنہوں نے آیاتِ ربانی کی ناقدری کی ہوگی وہ اس کفر کے وبال سے بچ نہ سکیں گے۔

"وَمَنْ عَمِلَ صَالِحًا فَلِاَنْفُسِهِمْ يَمْهَدُوْنَ" "اور جس نے نیک عمل کیا تو ایسے لوگ اپنے ہی لئے (دائمی آرام و راحت کا) سامان درست کر رہے ہیں"۔ 'مھد' گود کو بھی کہتے ہیں اور بچھونے کو بھی۔ 'يَمْهَدُوْنَ' کا معنی ہوگا کہ وہ اپنا ہی بسترِ آخرت سنوار رہے ہیں' اپنے ابدی عیش و آرام کے لئے زمین ہموار کر رہے ہیں۔ تمہید کہتے ہیں میدان ہموار کرنے کو۔ آپ کسی خاص مضمون کے لئے ذہنوں کو ہموار کرنے کے لئے جو ابتدائی گفتگو کرتے ہیں اسے تمہید کہتے ہیں۔ تو جو کوئی بھی اس دنیا میں اپنی آخرت سنوارنے کے لئے محنت کر رہا ہے وہ اپنے لئے ہی میدان ہموار کر رہا ہے۔

یہی مضمون سورۃ العنکبوت میں بایں الفاظ آیا ہے: "وَمَنْ جَاهَدَ فَاِنَّمَا يُجَاهِدُ لِنَفْسِهٖ اِنَّ اللّٰهَ لَغَنِيٌّ عَنِ الْعٰلَمِيْنَ"۔ "جو کوئی بھی (اللہ کے راستے میں) جہاد کرتا ہے تو وہ اپنے لئے ہی جہاد کرتا ہے' اللہ تو تمام جہانوں سے غنی ہے"۔ وہ بے نیاز ہے' اسے کوئی احتیاج نہیں۔ ایک حدیث قدسی میں اس طرح کے الفاظ آئے ہیں کہ: اے میرے بندو اگر تم اول سے آخر تک تمام جن و انس اپنے میں سے سب سے زیادہ متقی و پرہیزگار بندے کی طرح ہو جاؤ تب بھی میری حکومت و سلطنت میں کوئی اضافہ نہیں ہوگا۔ اور اگر تم سب کے سب اپنے میں سے سب سے زیادہ نافرمان اور ناشکرے بندے جیسے بن جاؤ تب بھی میری حکومت میں ایک ذرے کی بھی کمی نہیں ہوگی۔ یعنی اگر بالفرض سب کے سب ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ جیسے متقی بن جائیں یا سب کے سب ابلیس لعین کی طرح کے ہو جائیں تو اللہ کا نہ کچھ سنوار سکتے ہیں نہ بگاڑ سکتے ہیں۔ جو کفر کا راستہ اختیار کرتا ہے تو اس کا وبال خود اسی پر ہوگا' اور جو عمل صالح کی روش اختیار کرتا ہے تو وہ اپنے ہی آرام و راحت کا سامان مہیا کر رہا ہے۔

id.com

اس سے اگلی آیت میں اس کا نتیجہ بیان کر دیا گیا:

لِيَجْزِيَ الَّذِينَ آمَنُوا وَعَمِلُوا الصّٰلِحٰتِ مِنْ فَضْلِهِ ۚ إِنَّهُ لَا يُحِبُّ الْكٰفِرِينَ ○

"تاکہ وہ ان لوگوں کو جو ایمان لائے اور جنہوں نے نیک عمل کئے اپنے فضل سے بدلہ دے۔ بلاشبہ وہ کافروں کو پسند نہیں کرتا"۔

یہاں آیت کے شروع میں جو لام (لِ) ہے وہ لامِ عاقبت ہے۔ یعنی اس کا نتیجہ یہ نکلے گا کہ جو لوگ ایمان لائے اور انہوں نے نیک عمل بھی کئے' اللہ تعالیٰ انہیں اپنے فضل و کرم سے اس کا بدلہ عطا فرمائے گا۔ اور یہ بات شک و شبہ سے بالاتر ہے کہ اللہ تعالیٰ کافروں سے محبت نہیں کرتا۔ یہ نہ سمجھا جائے کہ اگر آج دنیا میں کافروں کی چلت پھرت ہے اور زمین پر ان کا غلبہ نظر آتا ہے تو یہ ان سے اللہ تعالیٰ کی محبت کی کوئی دلیل ہے۔ سورۂ آل عمران کے آخری رکوع میں فرمایا: "لَا يَغُرَّنَّكَ تَقَلُّبُ الَّذِينَ كَفَرُوا فِي الْبِلَادِ" کہ اے نبی' ملکوں میں کافروں کا دندنانا کہیں آپ کو دھوکے میں نہ ڈال دے! یہ متاعِ قلیل انہیں اس لئے نہیں دی گئی کہ اللہ کو ان سے کوئی محبت ہے۔ چونکہ اہل حق کا کوئی گروہ منظم ہو کر سامنے آیا نہیں ہے اس لئے اللہ نے زمین میں انہیں ڈھیل دے رکھی ہے اور حکومت و اقتدار سے نواز رکھا ہے۔ آخر اس نے اپنی زمین کا کوئی بندوبست کسی نہ کسی کے حوالے تو کرنا ہی ہے۔ حق اگر منظم ہو کر سامنے آ جائے اور اپنا استحقاق ثابت کر دے تو اللہ اسے غلبہ عطا فرمائے گا۔ اللہ کو اِن کافروں سے محبت نہیں ہے کہ زمین کا بندوبست اور انتظام انہی کے سپرد کئے رکھے۔

اب اس آیت کے بالمقابل سورۃ السجدہ کی آیت ملاحظہ ہو:

"وَلَقَدْ آتَيْنَا مُوسَى الْكِتٰبَ فَلَا تَكُنْ فِي مِرْيَةٍ مِّن لِّقَائِهِ وَجَعَلْنٰهُ هُدًى لِّبَنِي إِسْرَائِيلَ"

"اور ہم نے موسیٰ کو بھی کتاب دی تھی' پس تم اس کے ملنے کے بارے میں شک میں نہ رہو' اور ہم نے اس (کتاب) کو بنی اسرائیل کے لئے (ذریعہ) ہدایت بنایا تھا"۔

اس سے پچھلی آیت "وَمَنْ أَظْلَمُ مِمَّن ذُكِّرَ بِآيٰتِ رَبِّهِ ثُمَّ أَعْرَضَ عَنْهَا ۔ الخ" میں اللہ تعالیٰ کی آیات کے ذریعے تذکیر کا ذکر تھا اور ان ظالموں کے لئے وعید بیان ہوئی تھی جنہیں اس طور پر تذکیر کرائی گئی' پھر بھی انہوں نے اس سے روگردانی کی۔ اب چونکہ "فَذَكِّرْ بِالْقُرْآنِ مَن يَخَافُ وَعِيدِ" کے مطابق امت کے اندر اس تذکیر کو جاری رکھنا مقصود ہے

© rasailojaraid.c

لہٰذا اس کے لئے سابقہ امت سے ایک مثال دی جا رہی ہے۔ قرآن حکیم میں جابجا بنی اسرائیل کے برے لوگوں کی مثالیں آئی ہیں۔ سورۃ الجمعہ میں فرمایا گیا: "مَثَلُ الَّذِيْنَ حُمِّلُوا التَّوْرٰىةَ ثُمَّ لَمْ يَحْمِلُوْهَا كَمَثَلِ الْحِمَارِ يَحْمِلُ اَسْفَارًا" کہ مثال ان لوگوں کی جو حاملِ تورات بنائے گئے تھے مگر انہوں نے اس کی ذمہ داریوں کو ادا نہ کیا' اُس گدھے کی سی ہے جس پر کتابوں کا بوجھ لدا ہوا ہو۔ لیکن بہرحال بنی اسرائیل میں سب برے ہی برے نہ تھے' ان میں اچھے لوگ بھی تھے۔ ان میں بہت عمدہ اور زبردست شخصیتیں بھی پیدا ہوئیں' بڑے بڑے انبیاء اور ان کے حواریین آئے ہیں۔ تو یہاں ان کے اچھے لوگوں کی مثال دی جا رہی ہے۔

فرمایا: "اور ہم نے موسیٰ کو کتاب عطا فرمائی تھی ...... اور اس (کتاب یا موسیٰ) کو ہم نے بنی اسرائیل کے لئے ہدایت (کا ذریعہ) بنایا تھا"۔ یہ مضمون سورۂ بنی اسرائیل میں بھی بایں الفاظ آیا ہے: "وَلَقَدْ اٰتَيْنَا مُوْسَى الْكِتٰبَ وَجَعَلْنٰهُ هُدًى لِّبَنِيْٓ اِسْرَآءِيْلَ اَلَّا تَتَّخِذُوْا مِنْ دُوْنِيْ وَكِيْلًا ذُرِّيَّةَ مَنْ حَمَلْنَا مَعَ نُوْحٍ اِنَّهٗ كَانَ عَبْدًا شَكُوْرًا"۔

سورۃ السجدہ کی مذکورہ بالا آیت کے درمیانی الفاظ "فَلَا تَكُنْ فِيْ مِرْيَةٍ مِّنْ لِّقَآئِهٖ" ایک جملہ معترضہ ہیں' جس کے کئی معانی لیے گئے ہیں مثلاً (i) تم اس بات میں شک میں نہ رہو کہ موسیٰ کو کتاب ملی تھی۔ (ii) شک میں نہ رہو اس بات سے کہ تمہیں اللہ سے ملاقات کرنی ہے۔ (iii) کوئی شک نہ کرو اس بات میں اے محمدؐ کہ آپ کی ملاقات (شب معراج میں) مُوسیٰ سے ہی ہوئی تھی۔ یہ مختلف تفسیری معانی ہیں لیکن یہ ایک ضمنی مضمون ہے۔ اس میں اصل مضمون یہی ہے کہ "ہم نے موسیٰ کو کتاب عطا فرمائی تھی اور اسے بنی اسرائیل کے لئے ہدایت بنایا تھا"۔

اب اگلی آیت میں ہم سب کے لئے نمونہ اور اللہ تعالیٰ کی طرف سے ایک چارٹر دیا گیا ہے۔ فرمایا:

"وَجَعَلْنَا مِنْهُمْ اَئِمَّةً يَّهْدُوْنَ بِاَمْرِنَا لَمَّا صَبَرُوْا وَكَانُوْا بِاٰيٰتِنَا يُوْقِنُوْنَ"۔

"اور ہم نے ان میں سے ایسے امام بنائے تھے جو ہمارے حکم سے (لوگوں کی) رہنمائی کرتے تھے۔ جبکہ انہوں نے (راہ حق میں آنے والی سختیوں پر) صبر کیا اور وہ ہماری آیتوں پر یقین کرتے رہے"۔

id.com

یعنی ہم نے بنی اسرائیل میں ایسے امام اور پیشوا اٹھائے جو ہماری توفیق اور ہمارے اذن سے لوگوں کی راہبری و راہنمائی کا فریضہ سرانجام دیتے تھے۔ امام کہتے ہی ان کو ہیں جو آگے چلنے والے ہوتے ہیں' جو صاحبِ عزیمت ہوتے ہیں' جو "مَنْ اَنْصَارِیْ اِلَی اللّٰہِ" کا نعرہ لگا کر دین اور اس کے لوازم کی یاددہانی کراتے ہیں۔ اس آیۂ مبارکہ کا آخری حصہ بہت اہم ہے جس میں اس امامت اور پیشوائی کی دو لازمی شرائط بیان کر دی گئیں ـــــ اور وہ ہیں صبر اور یقین! فرمایا: "لَمَّا صَبَرُوْا وَکَانُوْا بِاٰیٰتِنَا یُوْقِنُوْنَ" "جبکہ انہوں نے صبر کیا اور وہ ہماری آیتوں پر یقین کرتے رہے"۔ راہ حق میں درپیش آنے والے مصائب و شدائد پر صبر کرنا اس راہ کی اولین شرط لازم ہے۔ صبر یہ ہے کہ مخالفین کی طرف سے ہر طرح کے تشدد' استہزاء اور تمسخر کو جھیل جانا اور برداشت کرنا اور کسی بھی لالچ یا Temptation کے دباؤ میں نہ آنا۔ گویا ؏ "میری دنیا لٹ رہی تھی اور میں خاموش تھا!" کی مکمل تصویر بن کر دکھانا' استقامت اور ثابت قدمی سے راہ حق پر جمے اور ڈٹے رہنا' اور اس راہ میں اپنے سارے روشن کیریرز اور مستحکم کاروبار تج کر تن من دھن سے لگ جانا۔ اگرچہ سالہا سال کی محنتوں اور کوششوں کے علی الرغم یہ نظر آ رہا ہو کہ اس کا فی الحال بظاہر کوئی نتیجہ نہیں نکل رہا' لیکن مایوس اور بددل ہونے کے بجائے اور زیادہ عزم و حوصلے کے ساتھ محنت و کوشش جاری رکھنا۔ یہ تمام چیزیں صبر میں شامل ہیں۔ اور صبر کی اعلیٰ ترین مثال ہمیں محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی سیرتِ طیبہ میں نظر آتی ہے۔ آنحضورؐ کی دس برس کی دعوت کے نتیجے میں ایک چھوٹی سی جمعیت قائم ہوئی تھی۔ حالانکہ دعوت دینے والے تاریخ انسانی کی عظیم ترین شخصیت' سید المرسلین' خاتم النبیینؐ محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم خود تھے۔ لیکن پورے دس برس کی جانفشانی کے بعد صورت احوال بظاہر اس قدر مایوس کن تھی کہ مکہ کی سرزمین آپ پر تنگ ہو گئی' آپ کے قتل کا فیصلہ ہو گیا اور آپ کو طائف کا سفر اختیار کرنا پڑا۔ لیکن طائف میں آپ کے ساتھ ایک ہی دن میں وہ اذیت ناک سلوک روا رکھا گیا کہ ایسا کربناک دن آپ کی حیات طیبہ میں نہ اس سے پہلے آیا اور نہ اس کے بعد۔ اور آپ کو اس حالت میں مکہ واپس آنا پڑا کہ ایک مشرک کی امان لے کر داخلہ ممکن ہوا! لیکن بظاہر احوال اس قدر مایوس کن حالات میں بھی آپ کے پائے استقلال میں کوئی لرزش نہیں آئی۔ اس طرح

© rasailojaraid.com

کے حالات میں بھی حکم یہی ہے: "فَاَقِمْ وَجْهَكَ لِلدِّيْنِ الْقَيِّمِ" "آپ اپنا رخ دینِ قیم کی طرف سیدھا رکھئے"۔ دین پر قائم رہئے اور اسے قائم کرنے کی جدوجہد جاری رکھئے۔ راہ حق پر جمے رہئے' ڈٹے رہئے' مایوسی اور بددلی کو قریب مت آنے دیجئے' استقامت کا ثبوت دیجئے۔ یہ ہے اس راہ کی دو لازمی شرائط میں سے شرط اول' جسے یہاں سورۃ السجدہ میں "لَمَّا صَبَرُوْا" کے الفاظ میں بیان فرمایا گیا۔

اور دوسری شرط آگے بیان فرمائی: "وَكَانُوْا بِاٰيٰتِنَا يُوْقِنُوْنَ" "اور وہ ہماری آیات پر یقین رکھتے تھے!" اللہ کی نازل کردہ کتاب پر ایمان اس راہ کی دوسری شرط لازم ہے۔ یہی ہے دراصل "الْعُرْوَةِ الْوُثْقٰى لَا انْفِصَامَ لَهَا" —— وہ مضبوط سہارا جو ٹوٹ نہیں سکتا۔ یہی ہے اللہ کی وہ رسی جسے مضبوطی سے تھامنے کا حکم دیا گیا۔ حضرت عبداللہ ابن مسعود سے روایت ہے کہ حضورؐ نے فرمایا: "قرآن اللہ کی مضبوط رسی ہے جو آسمان سے زمین تک تنی ہوئی ہے"۔ اس پر ایمان رکھو' اس کو تھامو اور جمے اور ڈٹے رہو۔ یہ خود سرچشمۂ ایمان و یقین ہے۔ اور اسی کتابِ ہدایت کی دعوت دنیا کے سامنے پیش کرنی ہے۔ اللہ تعالیٰ ہمیں اس کی توفیق اور استقامت دیئے رکھے۔

آگے فرمایا: "اِنَّ رَبَّكَ يَفْصِلُ بَيْنَهُمْ يَوْمَ الْقِيٰمَةِ فِيْمَا كَانُوْا فِيْهِ يَخْتَلِفُوْنَ"

"یقیناً تمہارا رب قیامت کے دن ان باتوں کا فیصلہ کردے گا جن میں یہ آپس میں اختلاف کرتے رہے ہیں"۔

دنیا میں جو بھی اختلافات ہو رہے ہیں' آپ کا رب قیامت کے دن فیصلہ کردے گا کہ کون صحیح اور کون غلط تھا۔ قیامت تو آکر رہنی ہے۔ بمصداق الفاظِ قرآنی: "اِنَّ السَّاعَةَ لَاٰتِيَةٌ فَاصْفَحِ الصَّفْحَ الْجَمِيْلَ"۔ (الحجر) "قیامت تو یقیناً آنے والی ہے۔ پس (اے نبیؐ' ان سے) حسن و خوبی کے ساتھ درگزر کیجئے!" ان کے تمسخر و استہزا کو نظرانداز کیجئے' ان کی باتوں کا برا نہ مانئے' بددل نہ ہوں۔ "وَلَقَدْ نَعْلَمُ اَنَّكَ يَضِيْقُ صَدْرُكَ بِمَا يَقُوْلُوْنَ"۔ "ہمیں خوب معلوم ہے کہ جو کچھ یہ کہتے ہیں اس سے آپ کا سینہ بھنچتا ہے"۔ لیکن آپ ڈٹے رہئے' جمے رہئے' قیامت آئے گی تو دودھ کا دودھ اور پانی کا پانی ہو جائے گا۔

یہ ہیں قرآن حکیم کے وہ دو انتہائی جامع مقامات جن میں موجودہ حالات کی عکاسی بھی ہے' ان اسباب کا بیان بھی ہے جن کے باعث ہم اس سنگین صورت حال سے دوچار ہیں۔

(باقی صفحہ ۳۰ پر)

id.com

نشری تقریر

ڈاکٹر اسرار احمد

درسِ قرآن

سورۃ ابراہیم آیات ۲۸ تا ۳۰

نَحْمَدُهٗ وَنُصَلِّیْ عَلٰی رَسُوْلِهِ الْکَرِیْم

اَمَّا بعد فاعوذ باللہ من الشیطٰن الرجیم، بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

اَلَمْ تَرَ اِلَی الَّذِیْنَ بَدَّلُوْا نِعْمَتَ اللّٰهِ کُفْرًا وَّاَحَلُّوْا قَوْمَهُمْ دَارَ الْبَوَارِ ○ جَهَنَّمَ ۚ یَصْلَوْنَهَا ؕ وَبِئْسَ الْقَرَارُ ○ وَجَعَلُوْا لِلّٰهِ اَنْدَادًا لِّیُضِلُّوْا عَنْ سَبِیْلِهٖ ؕ قُلْ تَمَتَّعُوْا فَاِنَّ مَصِیْرَکُمْ اِلَی النَّارِ ○ صدق اللہ العظیم۔

"کیا تم نے ان لوگوں کے حال پر غور نہیں کیا جنہوں نے اللہ کی نعمت کا بدلہ ناشکری سے دیا۔ اور اپنی قوم کو تباہی کے گھر میں جا اتارا۔ یعنی جہنم میں، جس میں وہ داخل ہوں گے، اور کیا ہی بُرا ہے وہ ٹھکانہ۔ اور انہوں نے اللہ کے کچھ مدِ مقابل گھڑ لیے تاکہ اُس کے راستے سے بھٹکا سکیں۔ ان سے کہہ دو، چند سے عیش کر لو، بالآخر تو تمہیں جہنم ہی میں جانا ہے۔"

ان آیاتِ مبارکہ میں شرک اور اہلِ شرک کے بارے میں بعض نہایت اہم اور بنیادی حقیقتیں بیان ہوئی ہیں ـــــ اوّلین یہ کہ توحید کی اصل بنیاد اللہ تعالٰی کا شکر ہے اور شرک کی جڑ ناشکری ہے۔

جیسے کہ سورۃ لقمان میں ارشاد ہوا کہ:

وَلَقَدْ اٰتَیْنَا لُقْمٰنَ الْحِکْمَةَ اَنِ اشْکُرْ لِلّٰهِ ؕ وَمَنْ یَّشْکُرْ فَاِنَّمَا یَشْکُرُ لِنَفْسِهٖ ۚ وَمَنْ کَفَرَ فَاِنَّ اللّٰهَ غَنِیٌّ حَمِیْدٌ ○ وَاِذْ قَالَ لُقْمٰنُ لِابْنِهٖ وَهُوَ یَعِظُهٗ یٰبُنَیَّ لَا تُشْرِکْ بِاللّٰهِ ؕ اِنَّ الشِّرْکَ لَظُلْمٌ عَظِیْمٌ ○

© rasailojaraid.com

"اور ہم نے لقمان کو دانائی عطا فرمائی کہ شکر اللہ کا ـــــ اور جو (اللہ کا) شکر کرتا ہے تو اپنے ہی بھلے کو کرتا ہے اور جو ناشکری کرتا ہے تو اللہ تو ہے ہی غنی اور حمید۔ اور یاد کرو جب کہا لقمان نے اپنے بیٹے سے اور وہ اسے نصیحت کر رہے تھے کہ اے میرے بچّے اللہ کے ساتھ شرک نہ کیجیو۔ بے شک شرک بہت بڑی ناانصافی ہے!"

اسی طرح یہاں فرمایا: "کیا تم نے غور نہیں کیا ان لوگوں کے حال پر جنہوں نے اللہ تعالیٰ کی نعمتوں پر ابجائے شکر کے، ناشکری کی روش اختیار کی" ـــــ گویا اصل میں یہی کُفرانِ نعمت ہے جو شرک اور کفر کی راہ ہموار کرتا ہے!

دوسری اور اہم ترین حقیقت یہ سامنے آتی ہے کہ کُفر اور شرک کا فروغ اس لیے نہیں ہوتا کہ یہ مطابقِ فطرت ہے، بلکہ اس لیے ہوتا ہے کہ کچھ ہوشیار اور چالاک اور مفاد پرست عناصر اپنے ناجائز مصالح و منافع کے پیشِ نظر سادہ لوح عوام کو بے وقوف بناتے ہیں اور ان کی آنکھوں میں دُھول جھونک کر اور انہیں توہمات میں مبتلا کر کے اپنا اُلّو سیدھا کرتے ہیں۔ اور اس طرح اپنی سیادت و قیادت کی گدّیوں کی حفاظت کرتے رہتے ہیں خواہ اس طرح اپنے ساتھ پوری قوم کو بھی جہنّم ہی میں جا اتاریں۔ یہ بات قرآن مجید میں بھی بہت سے مواقع پر اور متعدد اسالیب سے آئی ہے اور خود تاریخ انسانی بھی اس پر شاہدِ عادل ہے۔ چنانچہ قرآن مجید کی مکّی سورتوں میں بار بار یہ بات آتی ہے کہ حضراتِ انبیاء و رُسل کی مخالفت میں ان کی قوموں کے سردار اور چوہدری ہی پیش پیش رہے جنہیں قرآن "ملأ" کے لفظ سے تعبیر کرتا ہے۔ چنانچہ صرف ایک سورۃ الاعراف میں اس حقیقت کا ذکر سات مرتبہ آیا ہے۔ کہیں "قَالَ الْمَلَاُ مِنْ قَوْمِهٖ" کے الفاظ میں، کہیں "قَالَ الْمَلَاُ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا" کے الفاظ میں اور کہیں "قَالَ الْمَلَاُ الَّذِيْنَ اسْتَكْبَرُوْا" کے الفاظ میں۔ انہی طبقات کو قرآن مجید بعض مقامات پر "مترفین" کے لفظ سے تعبیر فرماتا ہے، یعنی دولت مند اور خوشحال لوگ جو اللہ تعالےٰ کی پیدا کی ہوئی نعمتوں میں سے اپنے حق سے زائد وصول کرتے ہیں اور اس کے لیے نت نئے توہّمات کا جال پھیلا کر عوام کو اس میں گرفتار کیے رکھتے ہیں تاکہ وہ اصل حقائق کی جانب متوجہ ہی نہ ہو سکیں ـــــ اور اس طرح پوری پوری قوموں کی ابدی ہلاکت و بربادی کا سبب بن جاتے ہیں۔

تاریخی اعتبار سے بھی ثابت ہے کہ جن جن معاشروں میں شرک ایک باقاعدہ نظام کی حیثیت

id.com